ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.04 (2025)

امام غزالیؒ اور علامہ ابن خلدونؒ کے نظریہ تعلیم و تربیت کا تقابلی جائزہ

***Muhammad Abrar Hameed Abbasi*[1]**
***Dr. Muhammad Saeed Tayyab*[2]**

Abstract:
This study presents a comparative analysis of the educational theories of two eminent Islamic thinkers within the framework of Imam Abu Hamid al-Ghazali's Ihya Ulum al-Din *and Abd al-Rahman Ibn e Khaldun's* Al-Muqaddimah. *Imam al-Ghazali defined the fundamental aim of education as the spiritual purification of the individual, moral refinement, and attaining closeness to Allah Almighty. In his view, knowledge is not merely an intellectual activity but a means for the purification of the soul. In contrast, Ibn e Khaldun links education to civilizational development, societal needs, intellectual growth, and social evolution. For him, the educational process is shaped by mental habits, experiences, and the social environment.*

This research undertakes a comparative analysis of both thinkers' perspectives on the definition of knowledge, the objectives of education, curriculum priorities, educational principles, the relationship between teacher and student, and social impacts. The study reveals that while al-Ghazali's approach focuses on spiritual, ethical, and inner development, Ibn e Khaldun's viewpoint is grounded in empirical, observational, and sociological principles. Consequently, this paper elucidates the comprehensive breadth of Islamic educational thought, which is not confined solely to spiritual or social dimensions but represents an integrated system for the holistic development of the human personality, harmonizing ethics, intellect, society, and spiritual training.

Keywords: *Islamic Education, al-Ghazali, Ibn e Khaldun, Comparative Analysis, Spiritual Development, Sociological Approach, Holistic Development, Educational Theory.*

انسان جب شعور کی دنیا میں قدم رکھتا ہے تو اس کی اولین ضرورت "تعلیم" اور "تربیت" ہوتی ہے۔ یہی وہ دو ستون ہیں جن پر انسانی شخصیت، اخلاق، فکر اور تمدن کی پوری عمارت استوار ہوتی ہے۔ تعلیم و تربیت صرف الفاظ، اسباق یا نصابی علوم کا نام نہیں، بلکہ یہ انسان کے ظاہر و باطن، عقل و قلب، اور انفرادی و اجتماعی زندگی کو سنوارنے کا ایک جامع نظام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخِ انسانی میں جتنی بھی عظیم تہذیبیں ابھریں، ان کی بنیاد ایک مضبوط نظامِ تعلیم و تربیت پر ہی رکھی گئی۔

اسلامی نقطۂ نظر سے تعلیم و تربیت محض مادی یا عقلی ارتقاء کا ذریعہ نہیں بلکہ یہ روحانی تزکیہ، اخلاقی بلندی اور مقصدِ حیات کی پہچان کا ذریعہ ہے۔ قرآنِ کریم میں سب سے پہلا حکم "اقرأ" یعنی "پڑھ" دیا گیا، جو دراصل انسانی شعور کو بیدار کرنے اور اسے علم کے نور سے منور کرنے کا اعلان تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم"، یعنی علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تعلیم و تربیت اسلام میں صرف فردی ترقی نہیں بلکہ اجتماعی اصلاح اور امت کی تعمیر کا ذریعہ ہیں۔

اسلامی فکر کی تاریخ میں مختلف ادوار میں علما، فلاسفہ اور مفکرین نے تعلیم و تربیت کے اصول و مقاصد پر گہرے تجزیے پیش کیے، لیکن ان میں امام ابو حامد الغزالیؒ اور علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدونؒ دو ایسی شخصیات ہیں جنہوں نے علم و تربیت کو نظریے، تجربے، روحانیت اور معاشرت — چاروں سطحوں پر سمجھنے کی کوشش کی۔

[1] - MS Scholar, Department of Islamic Studies, Bahria University Islamabad
[2] - Assistant Professor, Department of Islamic Studies, Bahria University Islamabad- (msaeed.buic@bahria.edu.pk)

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.04 (2025)

امام غزالیؒ(450ھ–505ھ) نے تعلیم کو محض عقل کی تربیت نہیں بلکہ قلب کی اصلاح کا ذریعہ قرار دیا۔ ان کے نزدیک علم کا مقصد صرف ذہانت میں اضافہ یا منطق کی مشق نہیں بلکہ انسان کے اندر وہ نور پیدا کرنا ہے جو اسے خالقِ حقیقی کی معرفت تک پہنچائے۔ انہوں نے فرمایا کہ علم اگر انسان کو تکبر، غرور یا دنیاوی مفاد کی طرف لے جائے تو وہ علم نہیں، جہالت ہے۔ غزالیؒ کے نزدیک حقیقی تعلیم وہ ہے جو اخلاقِ حسنہ پیدا کرے، نفس کو پاک کرے اور انسان کو "عبدِ صالح" بنائے۔

دوسری جانب ابن خلدونؒ (732ھ–808ھ) نے تعلیم و تربیت کو تمدنی اور سماجی ارتقاء کے تناظر میں دیکھا۔ انہوں نے اپنے شہرہ آفاق مقدمہ میں واضح کیا کہ علم محض انفرادی ضرورت نہیں بلکہ یہ انسانی معاشرت کی بقا اور تہذیبی ترقی کا بنیادی محرک ہے۔ ابن خلدون کے نزدیک تعلیم ایک تدریجی، تجرباتی اور اجتماعی عمل ہے، جو انسان کو "عمرانِ انسانی" یعنی سماجی زندگی کے تقاضوں کے مطابق ڈھالتا ہے۔ ان کے نزدیک تربیت کا مقصد یہ ہے کہ انسان اپنی فطری صلاحیتوں کو نکھار کر معاشرے میں مثبت کردار ادا کرے۔

یوں امام غزالیؒ نے تعلیم کو روحانی و اخلاقی زاویہ دیا، جبکہ ابن خلدونؒ نے اسے معاشرتی و تمدنی تناظر میں پیش کیا۔ دونوں کے نظریات بظاہر مختلف سمتوں میں دکھائی دیتے ہیں، مگر درحقیقت یہ ایک دوسرے کی تکمیل کا باعث ہیں۔ غزالیؒ نے تعلیم کے باطن کو اجاگر کیا، ابن خلدونؒ نے اس کے ظاہر اور عملی ڈھانچے کی تشریح کی۔ ایک نے انسان کے "دل" کو سنوارنے کی بات کی، دوسرے نے معاشرتی و تمدنی ڈھانچے کی مضبوطی اور عملی رویوں کی اصلاح پر زور دیا۔

آج جب دنیا کا تعلیمی نظام مادیت اور مسابقت کی دوڑ میں روحانی و اخلاقی اقدار سے خالی ہوتا جا رہا ہے، امام غزالیؒ اور ابن خلدونؒ کے افکار ہمیں یاد دلاتے ہیں کہ حقیقی تعلیم وہ ہے جو عقل کے ساتھ دل کو بھی زندہ کرے، فرد کے ساتھ معاشرے کو بھی نفع پہنچائے، اور دنیاوی ترقی کے ساتھ اخروی نجات کا سامان بھی فراہم کرے۔ اس آرٹیکل میں دو حضرات کے نظریہ تعلیم و تربیت کا تقابلی جائزہ پیش کیا جائے گا۔

امام ابو حامد محمد بن محمد الغزالیؒ کے حالاتِ زندگی:

امام غزالیؒ کا پورا نام ابو حامد محمد بن محمد بن احمد الطوسی الغزالی تھا۔ آپ کی ولادت 450ھ / 1058ء میں خراسان کے شہر طوس میں ہوئی۔ آپ کا خاندان مذہبی اور علمی فضیلت کا حامل تھا۔ آپ کے والد ایک پارسا صوفی مزاج انسان تھے جو علم دین کے محب تھے۔ وفات سے قبل وہ اپنے بیٹوں (محمد اور احمد) کی تربیت ایک نیک صوفی کے سپرد کر گئے[3]۔

امام غزالیؒ نے ابتدائی تعلیم اپنے شہر طوس میں حاصل کی، جہاں انہوں نے فقہ، نحو اور عربی ادب میں مہارت حاصل کی۔ بعد ازاں وہ جُرجان گئے اور وہاں امام ابو نصر الاسماعیلی سے علم حاصل کیا۔ اس کے بعد آپ نیشاپور تشریف لے گئے جہاں آپ نے وقت کے عظیم محدث و متکلم امام الحرمین ابو المعالی الجوینیؒ سے فقہ، اصول، منطق، فلسفہ، اور کلام کی تعلیم حاصل کی[4]۔

امام غزالیؒ کو زبردست ذہانت، قوتِ استدلال اور غیر معمولی حافظے کی بدولت بہت جلد علمی حلقوں میں امتیازی مقام حاصل ہوا۔ امام الجوینی کے انتقال کے بعد آپ نظام الملک طوسی کے دربار میں شریک ہوئے، جہاں آپ کی علمی مہارت نے سب کو متاثر کیا۔ نِظام الملک نے آپ کو مدرسہ نظامیہ بغداد کا مدرسِ اعلیٰ مقرر کیا—جو اُس وقت عالمِ اسلام کا سب سے بڑا علمی ادارہ تھا[5]۔

بغداد میں قیام کے دوران امام غزالیؒ کو شہرت اور عزت بے پناہ حاصل ہوئی، مگر اسی دوران آپ کو روحانی اضطراب لاحق ہوا۔ آپ نے محسوس کیا کہ علم اگر اخلاص اور معرفتِ الٰہی کے بغیر ہو تو محض ظاہر کا علم رہ جاتا ہے۔ چنانچہ آپ نے اچانک بغداد چھوڑ دیا اور دنیوی مناصب سے کنارہ کش ہو کر تصوف اور ریاضت کا راستہ اختیار کیا[6]۔

---

[3] احمد بن محمد ابن خلکان، وفیات الاعیان وانباء أبناء الزمان، جلد 4، تحقیق: احسان عباس (بیروت: دار صادر، 1968ء)، 216۔

[4] تاج الدین عبد الوہاب السبکی، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، جلد 6، تحقیق: محمود محمد الطناحی و عبد الفتاح محمد الحلو (قاہرہ: مطبعہ عیسیٰ البابی الحلبی، 1964ء)، 191۔

[5] علی بن محمد ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، جلد 10 (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 1987ء)، 211۔

[6] ابو حامد الغزالی، المنقذ من الضلال (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 2004ء)، 33۔

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.04 (2025)

اس دوران انہوں نے دمشق، بیت المقدس، حجاز اور طوس میں کئی سال مجاہدہ، عبادت اور خلوت میں گزارے۔ ان ہی ایام میں آپ نے اپنی مشہور کتاب احیاء علوم الدین تصنیف کی، جس نے علم و عمل کے ربط کو از سر نو واضح کیا۔ بعد ازاں، طلبہ اور اہلِ علم کے اصرار پر آپ دوبارہ طوس واپس آئے اور تدریس و تصنیف میں مصروف ہو گئے[7]۔

امام غزالیؒ نے اپنی زندگی کے آخری ایام گوشہ نشینی میں گزارے۔ آپ کے شاگردوں اور مریدوں میں علما، صوفیا، اور طلبہ کی ایک بڑی تعداد شامل تھی۔ آپ کا وصال 14 جمادی الآخر 505ھ / 1111ء کو طوس میں ہوا، اور وہیں مدفون ہوئے[8]۔

احیاء علوم الدین—امام ابو حامد الغزالیؒ:

"احیاء علوم الدین" امام غزالیؒ کی شہرۂ آفاق تصنیف ہے، جو اسلامی فکر، روحانیت، اخلاق، اور اصلاحِ معاشرہ کے میدان میں ایک انقلابی کتاب کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ کتاب امام غزالیؒ نے اپنی روحانی تجدید کے بعد لکھی، جب وہ دنیوی مناصب سے کنارہ کش ہو کر تزکیہ، عبادت، اور باطنی اصلاح میں مشغول ہوئے[9]۔

یہ تصنیف تقریباً بغداد چھوڑنے کے بعد طوس اور دمشق میں قیام کے دوران لکھی گئی۔ امام غزالیؒ نے محسوس کیا کہ علمِ دین محض ظاہر تک محدود ہو چکا ہے، جبکہ اس کی روح یعنی عمل اور اخلاص ماند پڑ گئی ہے۔ چنانچہ آپ نے اس کتاب کو احیاء علوم الدین (یعنی دین کے علوم کو دوبارہ زندہ کرنے) کے مقصد سے لکھا۔

موضوعات و ساخت

کتاب کو چار بڑے حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے، جن میں کل چالیس (40) ابواب شامل ہیں۔ ہر حصہ انسان کی اصلاحِ باطن اور عمل کی تربیت سے متعلق ہے۔

1. **ربع العبادات:** عبادات کے اسرار اور حکمتیں، جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ عبادات صرف ظاہری عمل نہیں بلکہ باطنی پاکیزگی اور خشیتِ الٰہی کے لیے ہیں[10]۔
2. **ربع العادات:** روزمرہ زندگی کے اخلاقی و معاشرتی پہلو، جیسے نکاح، کسبِ حلال، اخوت، دوستی وغیرہ۔ معاشرتی تعلقات کو بھی انسان کی اخلاقی تربیت کا حصہ قرار دیا گیا ہے[11]۔
3. **ربع المهلکات:** باطنی امراض جیسے حسد، تکبر، ریا، حرص وغیرہ اور ان کے علاج پر مشتمل ہے۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ انسان اگر ان امراض سے پاک نہ ہو تو علم کے باوجود گمراہ ہو سکتا ہے[12]۔
4. **ربع المنجیات:** نجات کے اسباب جیسے توبہ، صبر، شکر، خوف و رجا، محبتِ الٰہی، توکل، اور اخلاص۔ انسان کی نجات اس کے عملِ صالح، قلبی اصلاح، اور معرفتِ الٰہی سے مشروط ہے[13]۔

---

[7] خیر الدین الزرکلی، الاعلام: قاموس تراجم، جلد 7 (بیروت: دار العلم للملایین، 2002ء)، 20۔

[8] ابن الجوزی، ابو الفرج۔ المنتظم فی تاریخ الملوک والامم، جلد 17۔ بیروت: دار الفکر، 1992ء، ص 120

[9] الغزالی، المنقذ من الضلال، ص 45، بیروت: دار احیاء التراث العربی، 1996

[10] الغزالی، احیاء العلوم الدین، ج 1، ص 23

[11] الغزالی، احیاء العلوم الدین، ج 1، ص 32

[12] الغزالی، احیاء العلوم الدین، ج 1، ص 32

[13] الغزالی، احیاء العلوم الدین، ج 1، ص 40۔

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.04 (2025)

اسلوب وخصوصیات:

امام غزالیؒ نے قرآن، حدیث، اقوالِ سلف، اور عملی تجربات کو نہایت خوبصورت ترتیب میں پیش کیا ہے۔ ان کا انداز تحقیقی، نصیحت آمیز، اور تربیتی ہے۔ وہ فلسفیانہ گہرائی کے باوجود سادہ دلوں کی اصلاح کو مقدم رکھتے ہیں۔ ان کی تحریر میں علمی استدلال کے ساتھ روحانی حرارت ہے۔ انہوں نے ہر موضوع کو محض فقہی یا نظری بحث کے بجائے اخلاقی وباطنی تربیت کے تناظر میں پیش کیا[14]۔

"احیاءعلوم الدین" نے صدیوں تک مسلم دنیا کے علمی وروحانی ذوق کو متاثر کیا۔ یہ کتاب تصوف، اخلاق، تربیت، اور اسلامی فلسفۂ حیات کا جامع ماخذ سمجھی جاتی ہے۔ اسے بعض علما نے "قرآن کے بعد سب سے زیادہ پڑھی جانے والی دینی کتاب" قرار دیا ہے[15]۔

"احیاءعلوم الدین" نہ صرف ایک علمی کتاب ہے بلکہ ایک نظامِ اخلاق وتربیت ہے جو انسان کے ظاہر وباطن دونوں کو منور کرتا ہے۔ امام غزالیؒ نے اس کے ذریعے علم، عبادت، اور روحانیت کے درمیان توازن پیدا کیا اور دین کے حقیقی مقاصد کو زندہ کیا۔

علامہ ابوزید عبدالرحمن بن محمد بن خلدونؒ کے حالاتِ زندگی:

ابن خلدونؒ کا پورا نام عبدالرحمن بن محمد بن خلدون الحضرمی تھا۔ آپ 732ھ / 1332ء میں تونس میں پیدا ہوئے۔ آپ کا خاندان اصل میں اندلس (اسپین) کے شہر اشبیلیہ (Seville) سے تعلق رکھتا تھا، جو سقوطِ اندلس کے بعد شمالی افریقہ ہجرت کر گیا۔ آپ کے خاندان نے تونس میں علمی وسیاسی اعتبار سے بڑا مقام حاصل کیا[16]۔

ابن خلدونؒ نے ابتدائی تعلیم تونس ہی میں حاصل کی۔ انہوں نے قرآن مجید حفظ کیا اور نحو، فقہ، حدیث، منطق، فلسفہ، اور بلاغت میں کمال حاصل کیا۔ ان کے اساتذہ میں محمد بن سعید الآبلی، المازری، اور البرزلی جیسے جلیل القدر علما شامل تھے[17]۔

تعلیم مکمل کرنے کے بعد ابن خلدونؒ نے عملی زندگی میں قدم رکھا اور سیاسی وعدالتی ذمہ داریاں سنبھالیں۔ ابتدا میں وہ فاس (مراکش) میں سلطان ابوعنان المرینی کے دربار میں منشی (کاتب) کے طور پر کام کرتے رہے۔ کچھ عرصہ بعد انہیں قاضی القضاہ اور وزیر کے عہدے بھی تفویض کیے گئے[18]۔

سیاسی سازشوں اور درباری رقابتوں کی وجہ سے آپ کو بارہا قید و نظر بندی کا سامنا کرنا پڑا۔ اسی دوران آپ نے سیاسی زندگی سے کنارہ کشی اختیار کی اور مطالعہ وتصنیف میں مصروف ہو گئے۔ 1375ء(777ھ) میں آپ نے الجزائر کے ایک قلعہ قلعۃ ابن سلامہ میں رہتے ہوئے اپنی شہرہ آفاق کتاب "المقدمہ" تصنیف کی، جو بعد میں تاریخ، فلسفہ، عمرانیات، اور تعلیم کے میدان میں سنگِ میل ثابت ہوئی[19]۔

بعد ازاں آپ قاہرہ تشریف لے گئے جہاں جامعہ ازہر میں تدریسی ذمہ داریاں انجام دیں اور مالکی قاضی کے طور پر خدمات سرانجام دیں۔ یہاں آپ کو علمی وسماجی اعتبار سے بلند مقام حاصل ہوا[20]۔ ابن خلدونؒ کی زندگی کا آخری دور علمی مصروفیات، تصنیف، اور تدریس میں گزرا۔ آپ کا وصال 808ھ / 1406ء میں قاہرہ (مصر) میں ہوا اور وہیں دفن ہوئے[21]۔

---

[14] شیخ عبدالقادر جیلانی۔ الفتوح الربانیۃ. بیروت: دار المعرفۃ، 1980، ج2، ص54۔

[15] السبکی، جمال الدین۔ طبقات الشافعیۃ الکبریٰ. بیروت: دار الفکر، 1987، ج6، ص193۔

[16] عبدالرحمن بن محمد ابن خلدون، التعریف بابن خلدون ورحلتہ غرباً وشرقاً، تحقیق: محمد بن تاویت الطنجي (قاہرہ: مطبعہ الاستقامۃ، 1951ء)، 5۔

[17] محمد بن عبدالکریم المازری، تاریخ علماء تونس (تونس: الدار العربیہ للکتاب، 1980ء)، 87

[18] احمد بن محمد المقری، نفح الطیب من غصن الاندلس الرطیب، جلد 4 (بیروت: دار صادر، 1968ء)، 223۔

[19] عبدالرحمن ابن خلدون، المقدمہ (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 1970ء)، 15–30۔

[20] المازری، محمد بن عبدالکریم۔ تاریخ علماء تونس۔ تونس: الدار العربیۃ للکتاب، 1980ء، ص87۔

[21] المقری، احمد بن محمد، نفح الطیب من غصن الاندلس الرطیب، تحقیق: احسان عباس، ج1 (بیروت: دار صادر، 1968ء)، ص530۔

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.04 (2025)

المقدمہ—عبدالرحمن بن خلدونؒ:

"المقدمہ" ابن خلدونؒ کی شہرۂ آفاق تصنیف ہے، جو دراصل ان کی بڑی کتاب "کتاب العبر ودیوان المبتدأ والخبر" کا ابتدائی حصہ (مقدمہ) ہے۔ لیکن اس مقدمے کی فکری گہرائی اور علمی انفرادیت کے باعث یہ خود ایک مستقل علمی شاہکار بن گئی[22]۔ یہ تصنیف ابن خلدونؒ نے 777ھ / 1375ء میں الجزائر کے علاقے قلعۃ ابن سلامہ میں گوشہ نشینی کے دوران لکھی۔ اس زمانے میں وہ سیاسی انتشار اور درباری سازشوں سے بیزار ہو چکے تھے اور تاریخ وتہذیب کے اسباب پر غور کر رہے تھے[23]۔

"المقدمہ" دراصل انسانی تمدن، معاشرت، سیاست، تعلیم، معیشت، اور تاریخ کے اصولوں پر ایک جامع علمی تحقیق ہے۔ ابن خلدونؒ نے پہلی مرتبہ تاریخ کو علمی بنیادوں پر سمجھنے کی کوشش کی[24]۔ کتاب کے اہم ابواب درج ذیل موضوعات پر مشتمل ہیں:

1۔ انسان کی فطرت اور تمدن کی ضرورت۔

2۔ قبائل، عصبیت اور ریاست کی تشکیل۔

3۔ حکومتوں کے عروج وزوال کے اصول۔

4۔ معیشت، محنت، اور دولت کی گردش۔

5۔ تعلیم وتربیت کے اصول اور ذہنی نشوونما۔

6۔ علم وفنون کی ترقی کے عوامل۔

ابنِ خلدون نے تاریخ کو محض واقعات کا مجموعہ نہیں سمجھا بلکہ ہر واقعہ کے پیچھے کارفرما عوامل، سماجی ساخت، معاشی وسیاسی حالات، اور انسانی گروہی روابط (عصبیہ) کی جستجو کی۔ اس تجزیاتی ومنطقی سوچ نے انہیں جدید سماجی علوم اور فلسفۂ تاریخ کا بانی قرار دیا[25]۔ ان کی تحریر قرآن وسنت کے اصولوں سے ہم آہنگ ہے، مگر ساتھ ہی وہ مشاہدہ، تجربہ، اور عقلی استدلال کو بھی اہمیت دیتے ہیں۔ ان کے ہاں دین اور عقل کا امتزاج نمایاں ہے۔

ابنِ خلدون کی "المقدمہ" اور اس کے مسلم ومغربی دنیا پر اثرات

ابنِ خلدون کی شہرۂ آفاق تصنیف "المقدمہ" نہ صرف اسلامی تہذیبی ورثے کی عظیم فکری یادگار ہے بلکہ یہ کتاب مسلم اور مغربی دونوں علمی دنیا میں اپنے گہرے اثرات کی وجہ سے ایک منفرد مقام رکھتی ہے۔ مسلم مفکرین نے اسے مؤرخین اور سماجیات کے طلبہ کے لیے ایک بنیادی نصاب کی حیثیت دی، جبکہ مغربی علمی حلقوں نے اس کتاب کو انسانی سماج، ریاست، تمدن، معاشرتی تغیر اور تاریخی قانونمندی کو سمجھنے کے لیے ایک نئی سمت فراہم کرنے والی تحریر قرار دیا۔ خاص طور پر مغرب میں اس کے اثرات اس حد تک گہرے ثابت ہوئے کہ جدید سماجی علوم، فلسفۂ تاریخ، عمرانیات اور سیاسی نظریات کے کئی رجحانات پر ابنِ خلدون کی فکر کے نقوش نمایاں ہو گئے۔

مغرب کے ممتاز مفکر آرنلڈ جے ٹائن بی نے المقدمہ کو انسانی فکر کی تاریخ کی عظیم ترین تخلیقات میں شمار کیا ہے۔ ٹائن بی کے مطابق ابنِ خلدون "تاریخ کے عظیم ترین فلسفی" ہیں اور ان کی فکر جدید سماجی علوم کی بنیادوں میں ایک فیصلہ کن اینٹ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسی طرح مشہور فرانسیسی دانشور ارنسٹ رینان نے ابنِ خلدون کو "بنی نوع انسان کا واحد حقیقی تاریخی مفکر" قرار دیا، جس نے تاریخ کے قوانین اور معاشرتی حرکیات کو پہلی مرتبہ منظم انداز میں بیان کیا۔

اسی سلسلے میں معروف مستشرق ایچ۔ اے۔ آر۔ گیب نے اپنے تحقیقی مقالے میں وضاحت کی ہے کہ ابنِ خلدون کے سیاسی وسماجی نظریات محض اسلامی فکر کی نمائندگی نہیں کرتے بلکہ وہ جدید سیاسیات اور عمرانیات کے بنیادی اصولوں سے ہم آہنگ ایک ہمہ گیر نظام پیش کرتے ہیں۔ مزید برآں، المقدمہ کے معروف مترجم فرانز روزنتال نے اپنی تمہیدی تحقیق میں لکھا ہے کہ مغربی علمائے عمرانیات نے ابنِ خلدون کو نہ صرف جدید سماجی علوم کا معمار تسلیم کیا بلکہ انہیں جدیدیت کے فکری ارتقاء میں ایک بنیادی سنگِ میل

---

[22] ابن خلدون، عبد الرحمن۔ المقدمة. بیروت: دار احیاء التراث العربی، 1999، ص2۔

[23] عبد اللہ عنان۔ ابن خلدون: حیاتہ وآثارہ. قاہرہ: دار الفکر، 2000، ص78۔

[24] روزن، فرانز۔ تاریخ علم الاجتماع الإسلامي. قاہرہ: مطبعة النجاح، 1995، ص55۔

[25] ابنِ خلدون، مقدّمہ ابنِ خلدون، ترجمہ: فرینز روزنتال، (پرنسٹن: پرنسٹن یونیورسٹی پریس، 1967)، ص45–50۔

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.04 (2025)

بھی قرار دیا۔ یوں المقدمہ اپنی علمی گہرائی، فکری جدت اور سماجی قوانین کے انکشاف کی وجہ سے شرق و غرب دونوں میں ایک ایسی ہمہ گیر کتاب ثابت ہوئی جس نے صدیوں بعد بھی علمی دنیا کو متاثر کیا۔ ابنِ خلدون کی فکر آج بھی انسانی معاشرے کی تشکیل، ریاستی ارتقاء، قبائلی طاقت، شہری تہذیب اور تمدنی زوال کے قوانین کو سمجھنے میں بنیادی رہنمائی فراہم کرتی ہے۔

اسلامی دنیا میں بھی "المقدمہ" کو علم، سیاست، تاریخ، اور تربیت کے فہم کے لیے بنیادی ماخذ مانا گیا ہے۔ اس کتاب نے فکر و فلسفہ کے میدان میں عقلی و تجرباتی انداز کی بنیاد رکھی۔ "المقدمہ" ایک ایسی تصنیف ہے جو ابن خلدونؒ کی فکری عظمت اور تاریخی بصیرت کا مظہر ہے۔ انہوں نے انسانی معاشرت کو قانونِ عصبیت، تمدن، تعلیم، اور اخلاق کے تناظر میں سمجھا، اور علم کو محض نظری نہیں بلکہ تجرباتی و سماجی عمل قرار دیا۔ یہی وہ نظریات ہیں جنہوں نے بعد کے زمانوں میں تعلیم، تاریخ، اور سماجیات کے مطالعے کی نئی راہیں کھولیں۔

امام غزالی کا نظریہ تعلیم و تربیت:

امام ابو حامد الغزالیؒ کی فکر میں تعلیم و تربیت محض علم کے حصول کا نام نہیں بلکہ یہ انسانی روح کی پاکیزگی اور قربِ الٰہی کے سفر کا وسیلہ ہے۔ ان کے نزدیک علم کا مقصد دنیاوی عزت یا مالی منفعت نہیں بلکہ اصلاحِ باطن، تزکیۂ نفس اور معرفتِ حق ہے۔ وہ علم کو عبادت کے درجے میں رکھتے ہیں، مگر اس عبادت کی روح نیت اور اخلاص ہے[26]۔ امام غزالی کتاب العلم میں "آفاتِ علم" بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> "فَإِنَّ العِلْمَ عِبَادَةٌ، وَقُرْبَةٌ، وَفَضِيلَةٌ، وَيُطْلَبُ لِوَجْهِ اللهِ تَعَالَى فَإِذَا طَلَبَهُ لِغَيْرِ العَمَلِ وَلَا لِلتَّقَرُّبِ إِلَى اللهِ تَعَالَى، بَلْ لِلْمُفَاخَرَةِ وَالْمُجَادَلَةِ وَالْمُبَاهَاةِ وَاسْتِمَالَةِ وُجُوهِ النَّاسِ، فَهُوَ عَلَى خَطَرٍ عَظِيمٍ وَفِي الهَلَاكِ فَإِنَّ العِلْمَ حُجَّةُ اللهِ عَلَيْهِ، وَيَزِيدُهُ كِبْرًا وَعُجْبًا، وَيَكُونُ وَبَالًا عَلَيْهِ يَوْمَ القِيَامَةِ، إِلَّا أَنْ يَعْمَلَ بِهِ وَيَتَقَرَّبَ إِلَى اللهِ تَعَالَى"[27]۔
>
> "بے شک علم ایک عبادت ہے، اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ ہے، اور ایک عظیم فضیلت ہے۔ لہٰذا علم کو اللہ ہی کے لیے طلب کرنا چاہیے، پس اگر کوئی شخص علم کو اس لیے حاصل نہ کرے کہ وہ اس پر عمل کرے، اور نہ اس نیت سے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہو، بلکہ لوگوں پر فخر جتانے، مناظرے کرنے، دکھاوے اور شہرت حاصل کرنے، یا لوگوں کی توجہ اور تعریف سمیٹنے کے لیے علم حاصل کرے، تو وہ بہت بڑے خطرے میں ہے اور ہلاکت کے گڑھے میں گرا ہوا ہے۔ کیوں کہ قیامت کے دن یہی علم اللہ کی طرف سے اس کے خلاف حجت بنے گا، اور ایسا علم اس کے دل میں تکبر اور خود پسندی کو بڑھاتا ہے۔ آخر کار یہی علم اس کے لیے قیامت کے دن وبالِ جان بن جائے گا، سوائے اس کے کہ وہ اس علم پر عمل کرے اور اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرے۔"

تعلیم کا مقصد: معرفتِ الٰہی اور اصلاحِ اخلاق

امام غزالیؒ کے نزدیک علم کا حقیقی مقصد انسان کو اس کے خالق سے جوڑنا ہے۔ علم وہ ہے جو بندے کے دل میں خشیتِ الٰہی پیدا کرے، غرور کو مٹا دے، اور عملِ صالح کی طرف رہنمائی کرے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہر وہ علم جو انسان کو خدا کی معرفت تک پہنچا دے، نافع علم ہے، اور جو علم تکبر، مناظرے یا دنیا طلبی کا سبب بنے، وہ وبالِ جان ہے[28]۔

غزالیؒ کے نزدیک تعلیم کا پہلا مقصد تہذیبِ نفس ہے، دوسرا اصلاحِ اخلاق، اور تیسرا معرفتِ الٰہی۔ ان کے نزدیک یہ تینوں مراحل ایک روحانی زنجیر کی طرح آپس میں جڑے ہیں۔ وہ علم کو اس وقت تک کامل نہیں سمجھتے جب تک وہ عمل سے مربوط نہ ہو۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ "علم بغیر عمل، دیوانگی ہے، اور عمل بغیر علم گمراہی ہے۔

---

[26] الغزالی، کتاب العلم، ص 15، بیروت: دار احیاء التراث العربی، 1996۔

[27] ابو حامد محمد الغزالی، احیاء علوم الدین، جلد 1 (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 2011)، ص 51–52۔

[28] ابو حامد الغزالی، احیاء علوم الدین، جلد 1 (قاہرہ: دار المعارف، 1967ء)، ص 23۔

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.04 (2025)

تعلیم کا ثمر: تربیتِ نفس اور تزکیۂ باطن:

امام غزالیؒ کے نزدیک تعلیم کا حقیقی ثمر تزکیۂ باطن ہے۔ انسان اگر اپنی خواہشات اور اخلاقِ رذیلہ پر قابو نہیں پاتا تو وہ علم کے باوجود گمراہ ہو جاتا ہے۔ وہ طالبِ علم کو نصیحت کرتے ہیں کہ وہ علم کو دل کی غذا سمجھے، اور اپنے دل کو دنیا کی آلائشوں سے صاف رکھے۔ "کتاب العلم" میں وہ لکھتے ہیں کہ علم دل کے لیے وہی حیثیت رکھتا ہے جو غذا جسم کے لیے رکھتی ہے؛ اگر غذا زہریلی ہو تو جسم بیمار، اور اگر علم فاسد نیت سے حاصل کیا جائے تو دل مردہ ہو جاتا ہے[29]۔

معلم اور متعلم کا تعلق:

امام غزالیؒ نے معلم (استاد) اور متعلم (شاگرد) کے باہمی تعلق کو روحانی رشتہ قرار دیا ہے۔ وہ استاد کو "روح کا معالج" اور شاگرد کو "روحانی مریض" کہتے ہیں۔ ان کے نزدیک استاد کا منصب نبوت کے بعد سب سے بلند ہے کیونکہ وہ جہالت کے اندھیروں میں روشنی پھیلاتا ہے۔ استاد کو چاہیے کہ وہ شاگرد سے شفقت و حلم کا سلوک کرے، علم میں بخل نہ کرے، اور اس کی اصلاح نرمی سے کرے[30]۔

اسی طرح شاگرد کے لیے لازم ہے کہ وہ استاد کی تعظیم کرے، اس کے علم پر اعتماد رکھے، اور عاجزی اختیار کرے۔ غزالیؒ نے شاگرد کے آداب کو صوفیانہ تربیت کے اصولوں سے جوڑا ہے؛ ان کے نزدیک طالب علم کو پہلے اپنے دل سے کبر، حسد، ریا اور حرص کو دور کرنا چاہیے، تبھی علم اس کے دل میں نور بن کر اترتا ہے۔

نصابِ تعلیم اور اقسامِ علوم:

غزالیؒ علم کو دو بڑی اقسام میں تقسیم کرتے ہیں:

- علومِ شرعیہ — جیسے قرآن، حدیث، فقہ اور اصولِ دین؛
- علومِ عقلیہ و تجربیہ — جیسے منطق، طب، ریاضی وغیرہ۔

ان کے نزدیک علومِ شرعیہ "فرضِ عین" اور "فرضِ کفایہ" دونوں پہلو رکھتے ہیں۔ ہر مسلمان پر اتنا علم فرض ہے جو اسے عبادت اور اخلاق میں راہِ راست پر رکھ سکے، جبکہ امت پر اجتماعی طور پر وہ علوم فرض ہیں جو دنیاوی نظام کے قیام کے لیے ضروری ہوں[31]۔

امام غزالیؒ نے اس بات پر زور دیا کہ علم اگر دنیاوی مفادات کے لیے حاصل کیا جائے تو وہ "علم الدنیا" ہے، لیکن اگر اس کا مقصد آخرت کی کامیابی ہو تو وہ "علم الآخرۃ" کہلاتا ہے۔ یہی تقسیم ان کے پورے نظامِ تعلیم کی اساس ہے۔

علم و عمل کا تعلق:

امام غزالیؒ کے نظریۂ تعلیم کا مرکزی نکتہ یہ ہے کہ علم اور عمل ایک دوسرے کے بغیر ناقص ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ علم کا درخت عمل کے بغیر پھل نہیں دیتا۔ ان کے نزدیک علم کا کمال یہ ہے کہ وہ انسان کو اخلاقِ فاضلہ کی طرف لے جائے، اور عمل کا کمال یہ ہے کہ وہ علم کے مطابق ہو[32]۔ غزالیؒ علم کو روحانی عمل کا مقدمہ قرار دیتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ علم کا حاصل یہ ہونا چاہیے کہ انسان کا دل اللہ کے قریب ہو، نہ کہ وہ اپنی عقل پر فخر کرے۔ اس لیے وہ "اخلاص" کو تعلیم کی بنیاد سمجھتے ہیں۔

---

[29] ابو حامد الغزالی، احیاء علوم الدین، جلد 1 (قاہرہ: دار المعارف، 1967ء)، ص 32۔

[30] ابو حامد الغزالی، احیاء علوم الدین، جلد 1 (قاہرہ: دار المعارف، 1967ء)، ص 40۔

[31] ابو حامد الغزالی، احیاء علوم الدین، جلد 1 (قاہرہ: دار المعارف، 1967ء)، ص 44۔

[32] ابو حامد الغزالی، احیاء علوم الدین، جلد 1 (قاہرہ: دار المعارف، 1967ء)، ص 52۔

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.04 (2025)

روحانی تربیت اور علم کا باطنی پہلو:

امام غزالیؒ نے تعلیم و تربیت میں روحانی پہلو کو مرکزی حیثیت دی۔ ان کے نزدیک علم محض فکری مشق نہیں بلکہ روحانی ارتقا کا سفر ہے۔ وہ علم کو "نور" کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے دلوں میں ڈالتا ہے، اور فرماتے ہیں کہ یہ نور محض ظاہری مطالعے سے نہیں بلکہ تقویٰ، مجاہدہ اور ذکر سے حاصل ہوتا ہے[33]۔ اسی لیے وہ تصوف اور علم کو لازم و ملزوم سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک علم اگر تزکیۂ نفس کے ساتھ نہ جڑے تو وہ خشک درخت کی مانند ہے جو سایہ تو دیتا ہے مگر پھل نہیں۔

امام غزالیؒ کے نزدیک مراحلِ تعلیم:

امام غزالیؒ کے نزدیک تعلیم ایک تدریجی اور مرحلہ وار عمل ہے، جو انسان کی روحانی اور اخلاقی نشوونما کے ساتھ ساتھ اس کی عقلی و فکری تربیت بھی کرتا ہے۔ وہ تعلیم کو جسمانی تربیت کی مانند سمجھتے ہیں، جس میں پہلا مرحلہ تزکیہ، دوسرا تزیین اور تیسرا تکمیلِ ایمان ہے[34]۔

پہلا مرحلہ: تزکیۂ نفس اور نیت کی درستگی

امام غزالیؒ تعلیم کی ابتدا اصلاحِ نیت سے کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ علم کا پہلا دروازہ اخلاص ہے، اور جس طالبِ علم کی نیت خالص نہیں، وہ علم کے نور سے محروم رہتا ہے۔ ان کے نزدیک علم کا حاصل یہی ہے کہ انسان اپنے نفس کی بیماریوں — حسد، ریا، تکبر اور حرص — سے نجات پائے۔ چنانچہ تعلیم کا پہلا مرحلہ "تزکیۂ قلب" ہے[35]۔ اس مرحلے میں شاگرد کو اپنے اندر عاجزی، صبر اور شکر کے اوصاف پیدا کرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ غزالیؒ کے الفاظ میں علم کا مقصد یہ نہیں کہ انسان اپنے علم پر فخر کرے، بلکہ یہ ہے کہ وہ اپنی جہالت پہ شرمندہ ہو اور خدا کے قریب ہو جائے[36]۔

دوسرا مرحلہ: تزیینِ اخلاق اور عمل کی تربیت

غزالیؒ کے نزدیک تعلیم کا دوسرا مرحلہ اخلاقی تربیت ہے۔ وہ علم کو اخلاق کے بغیر بے روح قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک تعلیم محض معلومات کا مجموعہ نہیں بلکہ اخلاقی تشکیل کا ذریعہ ہے۔ استاد کو چاہیے کہ وہ شاگرد کی علمی تربیت کے ساتھ ساتھ اس کے اخلاق و عادات پر بھی نگاہ رکھے، کیونکہ کردار کے بغیر علم فتنہ بن جاتا ہے[37]۔ اس مرحلے میں طالبِ علم کو صبر، عفو، قناعت، زہد، توکل اور تواضع جیسے اوصاف سے آراستہ کیا جاتا ہے۔ یہی وہ صفات ہیں جو علم کو عمل میں ڈھالتی ہیں۔

تیسرا مرحلہ: معرفت و روحانی تکمیل

غزالیؒ کے نظریہ تعلیم کا تیسرا اور اعلیٰ ترین درجہ معرفتِ الٰہی ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں علم، عبادت، اور عشقِ الٰہی ایک وحدت میں ڈھل جاتے ہیں۔ وہ علم کو "نور" قرار دیتے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ یہ نور صرف اس دل میں اترتا ہے جو تقویٰ سے منور ہو[38]۔ ان کے نزدیک تعلیم کا کمال اس وقت حاصل ہوتا ہے جب شاگرد اپنے نفس کی غلامی سے آزاد ہو کر خدا کی بندگی میں داخل ہو جائے۔ یہی انسانِ کامل کا مقام ہے جو امام غزالیؒ کے تعلیمی نظریے کی معراج ہے۔

---

[33] ابو حامد الغزالی، احیاء علوم الدین، جلد 3 (قاہرہ: دار المعارف، 1967ء)، ص 112۔

[34] ابو حامد الغزالی، احیاء العلوم الدین، جلد 1، کتاب العلم (قاہرہ: دار المعارف، 1967ء)، ص 60۔

[35] ابو حامد الغزالی، احیاء العلوم الدین، جلد 1 (قاہرہ: دار المعارف، 1967ء)، ص 62۔

[36] ابو حامد الغزالی، احیاء العلوم الدین، جلد 1 (قاہرہ: دار المعارف، 1967ء)، ص 65۔

[37] ابو حامد الغزالی، احیاء العلوم الدین، جلد 3، کتاب ریاضۃ النفس (قاہرہ: دار المعارف، 1967ء)، ص 140۔

[38] ابو حامد الغزالی، احیاء العلوم الدین، جلد 4، کتاب التوحید (قاہرہ: دار المعارف، 1967ء)، ص 210۔

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.04 (2025)

علم وروحانیت کا امتزاج:

غزالیؒ کے نزدیک علم اور روحانیت ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں۔ اگر علم روحانیت سے خالی ہو تو وہ محض ذہنی مشق بن جاتا ہے، اور اگر روحانیت علم سے جدا ہو تو وہ گمراہی میں بدل جاتی ہے۔ وہ اس امتزاج کو "علم نافع" کا معیار قرار دیتے ہیں[39]۔ ان کے نزدیک علم، عمل اور حال (روحانی کیفیت) تینوں ایک دوسرے سے جدا نہیں کیے جاسکتے۔ یہی ان کی تعلیمی فکر کا امتیازی پہلو ہے، جو محض نصاب کی نہیں بلکہ قلبی تربیت کی بات کرتا ہے۔

استاد و شاگرد کے آداب بطور روحانی نظام:

امام غزالیؒ نے معلم اور متعلم کے تعلق کو محض تعلیمی نہیں بلکہ روحانی رشتہ قرار دیا۔ وہ کہتے ہیں کہ استاد وہ چراغ ہے جو دوسروں کے لیے جلتا ہے، اور شاگرد وہ آئینہ ہے جو اس نور کو اپنے دل میں سمیٹ لیتا ہے۔ امام ابو حامد الغزالیؒ نے احیاء علوم الدین میں طالب علم کے لیے دس اہم آداب بیان فرمائے ہیں۔ سب سے پہلے طالب علم کو چاہیے کہ اپنی نیت اور باطن کو رذائل اخلاق سے پاک کرے کیونکہ علم عبادت کے مترادف ہے اور ناپاک نیت کے ساتھ علم کی کوئی قدر نہیں ہوتی۔ دوسرا، طالب علم استاد کے سامنے عاجزی اختیار کرے اور استاد کے فیصلے اور علم کو اپنی رائے پر مقدم رکھے۔ تیسرا، استاد کی بات کو پوری توجہ کے ساتھ سنے اور گفتگو میں اسے بار بار نہ کاٹے۔ چوتھا، طالب علم جو سنتا ہے اس کے الفاظ کے مفہوم اور معانی پر غور کرے اور صرف لفظی حفظ تک محدود نہ رہے۔ پانچواں، علم پر عمل کرے کیونکہ عمل کے بغیر علم بیکار ہے۔ چھٹا، طالب علم ہمیشہ اللہ سے توفیق اور ہدایت کی دعا کرے کیونکہ علم اللہ کے دل میں ڈالے جانے والا نور ہے۔ ساتواں، استاد کو خوش رکھے اور اس کی ناراضگی سے اجتناب کرے، کیونکہ استاد کی ناراضی علم سے محرومی کا سبب بنتی ہے۔ آٹھواں، طالب علم پہلے علم کے اصول اور بنیادیں سیکھے اور پھر تفصیلات کی طرف بڑھے، کیونکہ جو سب کچھ ایک ساتھ حاصل کرنا چاہتا ہے وہ کچھ بھی حاصل نہیں کر پاتا۔ نواں، طالب علم ضرورت سے زیادہ بوجھ نہ اٹھائے بلکہ اتنا علم حاصل کرے جس سے اس کی فہم و فراست متاثر نہ ہو۔ اور دسواں، طالب علم ہر علم کا مقصد اور فائدہ جان کر پڑھے تاکہ وہ اپنی زندگی ایسے علم میں ضائع نہ کرے جو اس کے لیے فائدہ مند نہ ہو[40]۔

اسی طرح استاد کے لیے بھی وہ اصول بیان کرتے ہیں کہ وہ شاگرد سے مال یا دنیاوی فائدہ نہ لے، اس کی اصلاح خیر خواہی سے کرے، اور اسے وہی علم دے جو اس کے حال کے مطابق ہو۔ یہ طرزِ تربیت روحانی رہنمائی اور نفسیاتی فہم دونوں پر مبنی ہے۔

عصر حاضر میں امام غزالیؒ کے نظریہ تعلیم کی معنویت:

امام غزالیؒ کی تعلیمی فکر آج بھی حیرت انگیز طور پر جدید ہے۔ موجودہ دور کا سب سے بڑا بحران یہ ہے کہ تعلیم سے اخلاق اور روحانیت جدا ہو گئی ہے۔ غزالیؒ اس تقسیم کے خلاف ہیں۔ وہ تعلیم کو صرف فکری تربیت نہیں بلکہ اخلاقی، روحانی، اور اجتماعی اصلاح کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ آج جب علم کا مقصد روزگار اور مقابلہ بن چکا ہے، غزالیؒ کا نظریہ ہمیں یاد دلاتا ہے کہ علم کی اصل قدر اس وقت ظاہر ہوتی ہے جب وہ انسان کو انسان بنائے۔ ان کی فکر کا پیغام یہ ہے کہ استاد "پروفیسر" نہیں بلکہ "مربی" ہو، اور تعلیم کا مرکز کتاب نہیں بلکہ "دل" ہو۔ یہی وجہ ہے کہ جدید اسلامی فلسفۂ تعلیم میں، مثلاً محمد اقبال، سید حسین نصر، اور طٰہٰ جابر علوانی کی تحریروں میں، امام غزالیؒ کے فکری اثرات نمایاں نظر آتے ہیں۔ ان سب کے نزدیک تعلیم ایک مقدس فریضہ ہے جو انسان کو خالقِ حقیقی کے قریب لاتی ہے۔

امام غزالیؒ کے نزدیک تعلیم و تربیت کا نظام ایک ایسا جامع فلسفہ ہے جو عقل، روح، اخلاق اور عمل کو ایک وحدت میں جمع کرتا ہے۔ ان کا تعلیمی نظریہ نہ صرف مدرسہ و خانقاہ دونوں کو جوڑتا ہے بلکہ انسان کے ظاہر و باطن کو ہم آہنگ کرتا ہے۔ احیاء العلوم کے ذریعے امام غزالیؒ نے علم کو دوبارہ عبادت کا درجہ دیا، اور تعلیم کو روحانی سلوک کی ایک منزل قرار دیا۔ یوں کہا جاسکتا ہے کہ ان کا نظریہ تعلیم آج کے مادہ پرست دور کے لیے وہ روحانی علاج ہے جو انسان کو خود ی، خالق اور حقیقت سے دوبارہ جوڑ سکتا ہے۔

---

[39] ابو حامد الغزالی، احیاء العلوم الدین، جلد 3 (قاہرہ: دار المعارف، 1967ء)، ص 175۔

[40] الغزالي، أبو حامد. إحياء علوم الدين. بيروت: دار المعرفة، جلد 1، صفحات 53–63.

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.04 (2025)

امام ابن خلدونؒ کا نظریۂ تعلیم و تربیت:

اسلامی تہذیب کی تاریخ میں امام عبدالرحمن ابن خلدونؒ (1332–1406ء) ایک ایسی ہمہ گیر شخصیت ہیں جنہوں نے فلسفہ، تاریخ، عمرانیات، معیشت، سیاست اور تعلیم جیسے تمام شعبوں پر گہرا اثر چھوڑا۔ ان کی مشہور تصنیف "المقدمہ" نہ صرف تاریخ و تمدن کا شاہکار ہے بلکہ فلسفۂ تعلیم کے بنیادی اصولوں کی بھی جامع دستاویز ہے[41]۔ ابن خلدونؒ نے سب سے پہلے علم کو انسانی معاشرے کے ارتقا کے ساتھ جوڑا۔ ان کا کہنا ہے کہ علم فطری نہیں بلکہ اجتماعی زندگی کا نتیجہ ہے، کیونکہ انسان اپنی بقا کے لیے دوسرے انسانوں کا محتاج ہے، اور یہی احتیاج علوم و فنون کی بنیاد بنتی ہے[42]۔

ابن خلدونؒ ایک ایسے دور میں پیدا ہوئے جب اندلس اور مغرب میں علم و تہذیب زوال پذیر تھی۔ مدرسے رسمی ہو چکے تھے، ریا اور حفظِ نصوص علم کا مقصد بن چکے تھے، اور تربیت و عمل کمزور ہو گئے تھے۔ ان حالات میں ابن خلدونؒ نے علم کو اس کے حقیقی مقصد — یعنی انسانی عقل کی نشوونما اور اجتماعی شعور — کے تناظر میں دیکھا۔ انہوں نے واضح کیا کہ تعلیم کا تعلق صرف نصوص یا الفاظ سے نہیں بلکہ انسانی استعداد کی تدریجی تربیت سے ہے۔ وہ فرماتے ہیں: علم، تکرار، مشق اور تدریج سے پختہ ہوتا ہے، نہ کہ ایک دم رٹ لینے سے[43]۔ ان کا یہ جملہ بعد کے تمام تعلیمی فلسفوں (مثلاً جان لاک، روسو، پیاجے) کے لیے بنیاد ثابت ہوا۔

تعلیم کا مقصد: عقل کی تکمیل اور تمدن کی بقا

ابن خلدونؒ کے نزدیک تعلیم کا مقصد محض معلومات کا انبار نہیں بلکہ عقلِ انسانی کی تربیت ہے۔ ان کے مطابق عقل انسان کو حیوان سے ممتاز کرتی ہے، اور تعلیم اس عقل کی تربیت کا ذریعہ ہے تاکہ وہ صحیح تمیز، استدلال اور عمل کی قوت حاصل کرے[44]۔ ان کے نزدیک علم کے حقیقی مقصد دو ہیں:

1. انسان کی ذہنی صلاحیتوں کی تکمیل،
2. انسانی معاشرت کی اصلاح اور استحکام۔

اسی لیے وہ علم کو "عمران" یعنی تمدن کی تعمیر سے جوڑتے ہیں۔ ان کے نزدیک جب قوموں میں تعلیم کا نظام بگڑ جائے تو تمدن زوال پذیر ہو جاتا ہے۔

معلم و متعلم کا تعلق: فطری اور نفسیاتی زاویہ:

ابن خلدونؒ نے پہلی مرتبہ استاد اور شاگرد کے تعلق کو نفسیاتی بنیادوں پر سمجھایا۔ وہ کہتے ہیں کہ تعلیم اس وقت موثر ہوتی ہے جب استاد شاگرد کی ذہنی سطح، عمر، اور فطری صلاحیتوں کو مدنظر رکھے[45]۔ وہ اساتذہ کو نصیحت کرتے ہیں کہ سختی اور تشدد سے تعلیم دینا شاگرد کی فطری صلاحیتوں کو ختم کر دیتا ہے۔ ان کے الفاظ میں: "شدت اور ظلم شاگرد کے دل میں خوف اور کم ہمتی پیدا کرتے ہیں، اور اس کی ذہانت بجھ جاتی ہے"[46]۔ یہ جملہ ابن خلدونؒ کے تعلیمی نفسیات کے فہم کی عظمت کو ظاہر کرتا ہے۔ ان کے نزدیک تعلیم میں رحمت، صبر اور تدریج بنیادی اصول ہیں۔

نصابِ تعلیم اور اقسامِ علوم:

ابن خلدونؒ نے علم کو دو بنیادی اقسام میں تقسیم کیا:

1. علومِ نقلیہ — جو وحی، شریعت اور روایت پر مبنی ہیں،
2. علومِ عقلیہ — جو تجربہ، منطق، اور مشاہدہ سے پیدا ہوتے ہیں۔

---

[41] عبدالرحمن ابن خلدون، المقدمہ، فصل فی أن التعلیم من خواص الإنسان (قاہرہ: دار المعارف، 1967ء)، ص89۔

[42] ابن خلدون، المقدمہ، ص89۔

[43] ابن خلدون، المقدمہ، باب فی طرق التعلیم ومایعرض فیھا من الخطأ (قاہرہ: دار المعارف، 1967ء)، ص92۔

[44] ابن خلدون، المقدمہ، فصل فی مراتب العقول (قاہرہ: دار المعارف، 1967ء)، ص110۔

[45] ابن خلدون، المقدمہ، باب فی طرق التعلیم (قاہرہ: دار المعارف، 1967ء)، ص94۔

[46] ابن خلدون، المقدمہ، ص95۔

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.04 (2025)

وہ ان دونوں کو امتِ مسلمہ کی تہذیبی بقا کے لیے ناگزیر سمجھتے ہیں، مگر اس شرط کے ساتھ کہ عقل شریعت کے تابع رہے[47]۔ وہ نصابِ تعلیم میں توازن پر زور دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک صرف فقہ یا منطق میں مہارت رکھنے والا شخص کامل عالم نہیں ہو سکتا، جب تک وہ تاریخ، لغت، حساب، اور اجتماع کے اصولوں سے واقف نہ ہو۔ یہ وہ جامع نظریہ ہے جو بعد میں "بین العلوم ہم آہنگی" کی بنیاد بنا۔

طریقۂ تعلیم: تدریج، تکرار اور تجربہ

ابن خلدونؒ کے نزدیک تعلیم کا سب سے اہم اصول تدریج ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ استاد کو چاہیے کہ علم کو آسان سے مشکل کی طرف لے جائے، تاکہ شاگرد کی عقل یکایک بوجھ تلے نہ دب جائے[48]۔

اسی طرح وہ "تکرار" اور "مشق" کو علم کے رسوخ کا ذریعہ بتاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ علم ایک دن میں نہیں آتا، بلکہ بار بار کے مطالعے، غور و فکر اور بحث سے ذہن میں پختہ ہوتا ہے۔ یہ اصول آج کے جدید "لرننگ اسپائرل ماڈل" سے ملتا جلتا ہے۔

تعلیم میں سماجی و اخلاقی پہلو:

ابن خلدونؒ کے نزدیک تعلیم صرف ذہنی سرگرمی نہیں بلکہ اخلاقی و اجتماعی تربیت کا نام ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ "علم کا فائدہ تبھی ہے جب وہ عملِ صالح کی طرف لے جائے، اور انسان کو اپنے سماج کے ساتھ ہم آہنگ کرے"[49]۔

اسی لیے وہ علم کو عبادت کے درجے میں شمار کرتے ہیں، بشرطیکہ نیت خالص ہو اور مقصد فلاحِ انسانیت ہو۔ ان کے نزدیک تعلیم کا مقصد ایک صالح شہری پیدا کرنا ہے جو علم کو خیر کے فروغ کے لیے استعمال کرے۔

عصرِ حاضر میں ابن خلدونؒ کے نظریۂ تعلیم کی معنویت:

امام ابن خلدونؒ کی تعلیمی فکر آج کے سماجی و نفسیاتی مباحث میں غیر معمولی اہمیت رکھتی ہے۔ انہوں نے تعلیم کو سماجی نظامِ ارتقا سے جوڑا، نصاب میں متوازن علم کی وکالت کی، اور استاد کو نفسیاتی مربی کا درجہ دیا۔ آج جب تعلیم محض امتحان اور مقابلہ بن گئی ہے، ابن خلدونؒ کا نظریہ ہمیں یاد دلاتا ہے کہ علم وہی کارآمد ہے جو انسان میں تفکر، عمل اور اخلاق پیدا کرے۔ ان کی فکر جدید اسلامی تعلیمات، تربیتی فلسفہ، اور سماجی اصلاح کے لیے ایک زندہ ماڈل ہے۔

ابن خلدونؒ کا نظریۂ تعلیم و تربیت اسلامی فلسفۂ تعلیم میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ انہوں نے پہلی بار تعلیم کو انسانی فطرت، سماجی تعلقات، نفسیاتی پہلو اور تمدنی ضرورتوں کے تناظر میں دیکھا۔ ان کے نزدیک تعلیم کا اصل مقصد صرف علم کا حصول نہیں بلکہ عقل کی پختگی، اخلاق کی درستگی، اور تمدن کی بقا ہے۔

امام غزالیؒ اور ابنِ خلدونؒ کے نظریۂ تعلیم و تربیت کا تقابلی جائزہ:

اسلامی تاریخ میں تعلیم و تربیت کو ہمیشہ انسانی زندگی کا بنیادی ستون سمجھا گیا ہے۔ یہ وہ عمل ہے جو انسان کو محض معلومات کا مجموعہ نہیں بناتا بلکہ اسے شعور، کردار اور مقصدِ حیات سے جوڑتا ہے۔ امام ابو حامد الغزالیؒ اور علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدونؒ اسلامی فکر و فلسفہ کے دو ایسے عظیم مفکر ہیں جنہوں نے تعلیم کے موضوع پر مستقل و مربوط نظریات پیش کیے۔ دونوں کی فکری سمتیں مختلف ہونے کے باوجود مقصدِ تعلیم کے حوالے سے وہ ایک ہی منزل کے مسافر نظر آتے ہیں — یعنی ایک ایسا انسان تیار کرنا جو اپنے رب کو پہچانے، اپنی روح کو سنوارے اور اپنے معاشرے کو فائدہ پہنچائے۔

امام غزالیؒ نے تعلیم کو تزکیہ و عرفانِ الٰہی کا ذریعہ قرار دیا، جبکہ ابن خلدونؒ نے اسے تمدن و معاشرتی ارتقاء کی اساس کہا۔ امام غزالیؒ نے جہاں تعلیم کو روحانی پہلو سے دیکھا، وہاں ابن خلدونؒ نے اسے عقلی و سماجی زاویے سے مکمل کیا اور یہ دونوں مل کر اسلامی فلسفۂ تعلیم کی دو روشن قندیلیں ہیں۔ یہی فرق دونوں مفکرین کے تعلیمی فلسفے کی بنیاد ہے — غزالیؒ کے نزدیک علم روح کی غذا ہے، اور ابن خلدونؒ کے نزدیک علم معاشرت کی عمارت کا ستون۔

---

[47] ابن خلدون، المقدمہ، فصل فی العلوم واقسامھا (قاہرہ: دار المعارف، 1967ء)، ص 112۔

[48] ابن خلدون، المقدمہ، ص 93۔

[49] ابن خلدون، المقدمہ، فصل فی آداب المتعلم (قاہرہ: دار المعارف، 1967ء)، ص 97۔

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.04 (2025)

1۔ علم کی حقیقت اور ماخذ

امام غزالیؒ کے نزدیک علم وہ نور ہے جو اللہ تعالیٰ بندے کے دل میں ڈالتا ہے۔ علم کی بنیاد محض حواس یا عقل نہیں بلکہ دل کی صفائی، نیت کی درستگی اور الٰہی توفیق ہے۔ ان کے مطابق علم اگر دل کے نور سے خالی ہو تو وہ وبال بن جاتا ہے جبکہ ابن خلدونؒ کے نزدیک علم انسانی معاشرت کی پیداوار ہے۔ ان کے خیال میں انسان فطری طور پر تمدن پسند ہے اور اجتماع میں رہنے کی مجبوری ہی علوم و فنون کو جنم دیتی ہے۔ اور علم تجربے، مشاہدے اور عقل سے پیدا ہوتا ہے۔

تقابلی اعتبار سے دیکھا جائے تو نظر آتا ہے کہ غزالیؒ علم کو "باطنی اور روحانی" حقیقت سمجھتے ہیں جبکہ ابن خلدونؒ اسے "تجربی اور سماجی" حقیقت کے طور پر دیکھتے ہیں۔ غزالیؒ کے یہاں علم کا مرکز قلب ہے، اور ابن خلدونؒ کے نزدیک عقل و تجربہ۔

2۔ تعلیم کا مقصد

غزالیؒ کے ہاں تعلیم کا مقصد انسان کو "عبدِ صالح" بنانا ہے۔ علم کی غایت معرفتِ الٰہی، اخلاقی تطہیر، اور آخرت کی کامیابی ہے۔ ان کے نزدیک علم وہی ہے جو انسان کو دنیا سے بے رغبت اور آخرت کی طلب میں سرگرم کر دے۔ دوسری طرف ابن خلدونؒ تعلیم کو سماجی ضرورت سمجھتے ہیں۔ ان کے خیال میں تعلیم کا مقصد فرد کی عقلی صلاحیتوں کو بڑھانا، معاشرتی زندگی کے لیے ہنر سکھانا، اور ریاستی و تمدنی ترقی کے لیے افراد تیار کرنا ہے۔

خلاصہ یہ کہ غزالیؒ تعلیم کو فردی تزکیہ کے زاویے سے دیکھتے ہیں جبکہ ابن خلدونؒ اجتماعی تمدن کے زاویے سے۔ ایک کا رخ دل کی اصلاح کی طرف ہے، دوسرے کا ذہن اور معاشرت کی طرف۔

3۔ معلم (استاد) کا کردار

غزالیؒ استاد کو "روحانی معالج" کہتے ہیں جو شاگرد کے باطن کو پاک کرتا اور اسے راہِ حق پر چلاتا ہے۔ ان کے نزدیک استاد میں تواضع، اخلاص، حلم اور حلم ہونا لازمی صفات ہیں جبکہ ابن خلدونؒ کے نزدیک استاد ایک ماہرِ نفسیات کی طرح ہونا چاہیے۔ وہ تعلیم کے مرحلوں کو تدریجی بناتا، آسان سے مشکل تک لے جاتا ہے۔ ان کے بقول سختی، بے صبری اور جلد بازی شاگرد کے ذہن کو نقصان پہنچاتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں آپ کہہ سکتے ہیں کہ غزالیؒ کا استاد روحانی پیشوا ہے اور ابن خلدونؒ کا استاد تربیتی ماہر۔ ایک دل کی اصلاح پر زور دیتا ہے، دوسرا ذہن کی تعمیر پر۔

4۔ متعلم (شاگرد) کی تربیت

غزالیؒ شاگرد کے لیے ادب، عاجزی اور اخلاص کو شرطِ اول سمجھتے ہیں۔ ان کے ہاں طلب علم کی مثالی صورت یہ ہے کہ شاگرد علم کو دنیاوی جاہ یا شہرت کے لیے نہ سیکھے بلکہ اصلاحِ نفس اور قربِ الٰہی کے لیے۔ جبکہ ابن خلدونؒ شاگرد کی فطری ذہانت، عمر، اور سماجی ماحول کو تربیت میں اہم سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک چھوٹی عمر میں سخت تعلیم یا بے جا تکرار سے بچے کی ذہنی صلاحیتیں ماند پڑ جاتی ہیں۔ تقابلی خلاصہ یہ ہے کہ غزالیؒ نے شاگرد کی "روحانی تیاری" پر زور دیا اور ابن خلدونؒ نے "نفسیاتی تیاری" پر۔ دونوں کا اس امر پر اتفاق ہے کہ علم زبردستی یا ریاسے حاصل نہیں ہوتا۔

5۔ نصابِ تعلیم

غزالیؒ علوم کو دو درجوں میں تقسیم کرتے ہیں:

- شرعی علوم (قرآن، حدیث، فقہ، تصوف)—جو آخرت کے لیے ضروری ہیں۔
- دنیاوی علوم (طب، حساب، فلسفہ)—جو معاشی و سماجی ضرورت پوری کرتے ہیں۔

لیکن وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ دنیاوی علم بھی نیتِ صالح کے ساتھ سیکھا جائے تو عبادت بن جاتا ہے۔

ابن خلدونؒ بھی علوم کو دو قسموں یعنی "نقلیہ" اور "عقلیہ" میں تقسیم کرتے ہیں، مگر ان کے نزدیک ہر علم معاشرے کی ضرورت کے مطابق پیدا ہوتا ہے۔ لہٰذا نصاب کا تعین وقت، تمدن اور ثقافتی ضرورت کے تحت ہونا چاہیے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ غزالیؒ نصاب کو دینی روح کے تابع کرتے ہیں اور ابن خلدونؒ اسے تمدنی ضرورت کے تابع۔ غزالیؒ کا نصاب اخلاقی مقاصد پر مبنی ہے اور ابن خلدونؒ کا نصاب معاشرتی افادیت پر۔

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.04 (2025)

6۔ طریقہ تدریس

غزالیؒ کے ہاں تعلیم کا بہترین طریقہ نصیحت، مشاہدہ، کردار اور تقلیدِ استاد ہے۔ شاگرد کو نصیحت کی جائے مگر اس کی عزتِ نفس مجروح نہ ہو۔ عملی تربیت کو کتابی تعلیم پر فوقیت حاصل ہے۔ جبکہ ابن خلدونؒ کے ہاں تعلیم میں تدریج (step by step learning) لازمی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ "ابتدائی طالبِ علم کو مشکل مباحث میں الجھانا اس کے فہم کو مفلوج کر دیتا ہے"۔ یوں غزالیؒ تربیتِ روح پر زور دیتے ہیں جبکہ ابن خلدونؒ تربیتِ عقل پر۔ دونوں استاد سے شفقت، رہنمائی اور عملی نمونہ طلب کرنے میں متفق ہیں۔

7۔ علم و عمل کا تعلق

غزالیؒ کے ہاں "علم اگر عمل سے خالی ہو تو حجت ہے، نفع نہیں"۔ ان کے نزدیک علم کا کمال اس وقت ہوتا ہے جب وہ اخلاق و کردار میں ڈھل جائے۔ جبکہ ابن خلدونؒ کے ہاں علم کا مقصد معاشرت میں تبدیلی اور عمل کے میدان میں ترقی ہے۔ جو علم زندگی میں لاگو نہ ہو وہ بے فائدہ ہے۔ یوں دونوں کا اتفاق ہے کہ علم کو عمل میں ڈھالنا لازم ہے۔ رہ گئی بات عمل کی تو غزالیؒ عمل کو روحانی نجات کا وسیلہ مانتے ہیں اور ابن خلدونؒ اسے تمدنی ترقی کا۔

8۔ تعلیم کا سماجی کردار

غزالیؒ کے خیال میں صالح فرد ہی صالح معاشرہ بنا سکتا ہے۔ تعلیم انسان میں عدل، رحم، ایثار اور تقویٰ پیدا کرتی ہے۔ یہ صفات معاشرے میں امن و توازن لاتی ہیں۔ جبکہ ابن خلدونؒ کے نزدیک قوموں کا عروج و زوال براہِ راست ان کے تعلیمی معیار سے جڑا ہے۔ جب علم کمزور ہو جاتا ہے تو تمدن زوال پذیر ہو جاتا ہے۔ دونوں کی آراء کا اگر موازنہ کیا جائے تو واضح ہے کہ غزالیؒ تعلیم کو معاشرتی اصلاح کے لیے اخلاقی بنیاد سمجھتے ہیں اور ابن خلدونؒ تعلیم کو تمدنی طاقت کے طور پر۔

9۔ معاصر دور میں دونوں نظریات کی افادیت

غزالیؒ کا نظریہ اخلاقی بحران سے دوچار جدید دور کی دنیا میں ایک روحانی رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ ان کا تصور بتاتا ہے کہ تعلیم محض معلومات نہیں بلکہ کردار سازی کا عمل ہے۔ جبکہ ابن خلدونؒ کا نظریہ موجودہ تعلیمی پالیسیوں میں عملی بنیاد فراہم کرتا ہے۔ وہ تعلیم کو انسانی وسائل کی ترقی، پیشہ ورانہ تربیت، اور ریاستی نظام کے ساتھ جوڑتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ اگر غزالیؒ کی روحانیت کو ابن خلدونؒ کے سائنسی و سماجی اصولوں سے جوڑ دیا جائے تو ایک ایسا جامع نظامِ تعلیم وجود میں آ سکتا ہے جو نہ صرف انسان کو باشعور بنائے بلکہ اخلاقی لحاظ سے مضبوط اور معاشرتی طور پر فعال بھی کرے۔

نتائج:

- امام غزالی کے نزدیک تعلیم کا مقصد روحانی تہذیب اور اخلاقی پاکیزگی ہے، جبکہ علامہ ابن خلدون تعلیم کو تمدنی، معاشرتی اور فکری تعمیر کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ تعلیم کا اصل مقصد انسان کی اصلاح ہے۔
- غزالی باطن کی اصلاح اور تزکیہ کو بنیادی مرحلہ قرار دیتے ہیں، جبکہ ابن خلدون ذہنی نشوونما کے لیے تدریجی مراحل اور عادات سازی کو ضروری سمجھتے ہیں۔ دونوں کے نزدیک تربیت ایک مسلسل اور مرحلہ وار عمل ہے۔
- غزالی کے نزدیک معلم روحانی رہنما ہے جبکہ ابن خلدون کے نزدیک معلم سماجی و تمدنی تربیت دینے والا مؤثر عامل ہے۔ یوں دونوں کے ہاں معلم کی شخصیت اعلیٰ اخلاق و مہارت کا نمونہ ہونی چاہیے۔
- علامہ ابن خلدون اس بات پر زور دیتے ہیں کہ بچے کی ذہنی اہلیت سے زیادہ بوجھ اس کے ذہن کو نقصان پہنچاتا ہے۔ غزالی بھی مطالعہ و تحقیق میں آسانی، تدریج اور نرمی پر زور دیتے ہیں۔ اس طرح دونوں کا نظریہ انسانی فطرت کے مطابق ہے۔
- غزالی آخرت کی کامیابی، جبکہ ابن خلدون معاشرتی و تمدنی بھلائی کو ترجیح دیتے ہیں، مگر دونوں کے نظریات کو ملا کر دیکھا جائے تو ایک ایسا ہم آہنگ نظام ابھرتا ہے جو فرد، معاشرہ اور روحانیت تینوں کی تکمیل کرتا ہے۔

سفارشات:

- غزالی کی فکر کو مدنظر رکھتے ہوئے نصاب میں کردار سازی، اخلاقیات، تزکیہ اور روحانیت پر مبنی مواد شامل کیا جائے۔
- طلبہ پر بوجھ کم کیا جائے، سبق کو آسان اور مرحلہ وار طریقے سے پڑھایا جائے، اور ذہنی صلاحیتوں کے مطابق مواد فراہم کیا جائے۔

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.04 (2025)

- غزالی وابن خلدون دونوں کی فکر واضح کرتی ہے کہ بہترین معلم ہی بہترین معاشرہ بناتا ہے، اس لیے معیاری تربیت، اخلاقی رہنمائی اور پیشہ ورانہ ترقی لازمی ہو۔
- تعلیم کو صرف ملازمت تک محدود نہ کیا جائے بلکہ طلبہ کو مقصدِ زندگی، کردار سازی اور سماجی ذمہ داریوں سے آگاہ کیا جائے۔
- ابن خلدون کے تمدنی و تاریخی اسلوب سے رہنمائی لیتے ہوئے تحقیق، فیلڈ اسٹڈی، اور عملی مشاہدے کو لازمی جزو بنایا جائے تاکہ تعلیم زندگی سے جڑی ہو۔
- ماہرین پر مشتمل ایسی نصاب اصلاح کمیٹیاں بنائی جائیں جو نصاب میں اخلاقی، روحانی اور تمدنی پہلوؤں کو شامل کر کے اسے متوازن بنائیں۔
- ابن خلدون کے تدریجی اصول کے مطابق ہر مضمون کے لیے عمر، ذہنی سطح اور فطری استعداد کے مطابق مرحلہ وار تدریسی ماڈل تیار کیے جائیں۔
- اساتذہ کی تربیت کے لیے باقاعدہ تربیتی اکیڈمیاں قائم کی جائیں اور ان کے لیے سالانہ تربیتی پروگرام، اخلاقی ورکشاپس، اور جدید کورسز کو لازمی قرار دیا جائے۔
- طلبہ کے لیے ہفتہ وار کردار سازی سیشن، اخلاقی تربیت، سیرت کلاسز، اور رہنمائی پروگرام منعقد کیے جائیں تاکہ غزالی کے نظریے کو عملی شکل دی جاسکے۔
- فیلڈ وزٹ، تاریخی و سماجی مشاہدہ، پراجیکٹس اور تحقیقاتی اسائنمنٹس کو نصاب کا لازمی حصہ بنایا جائے، اس طرح ابن خلدون کے عملی و تجرباتی اصول پر عمل ہو گا۔